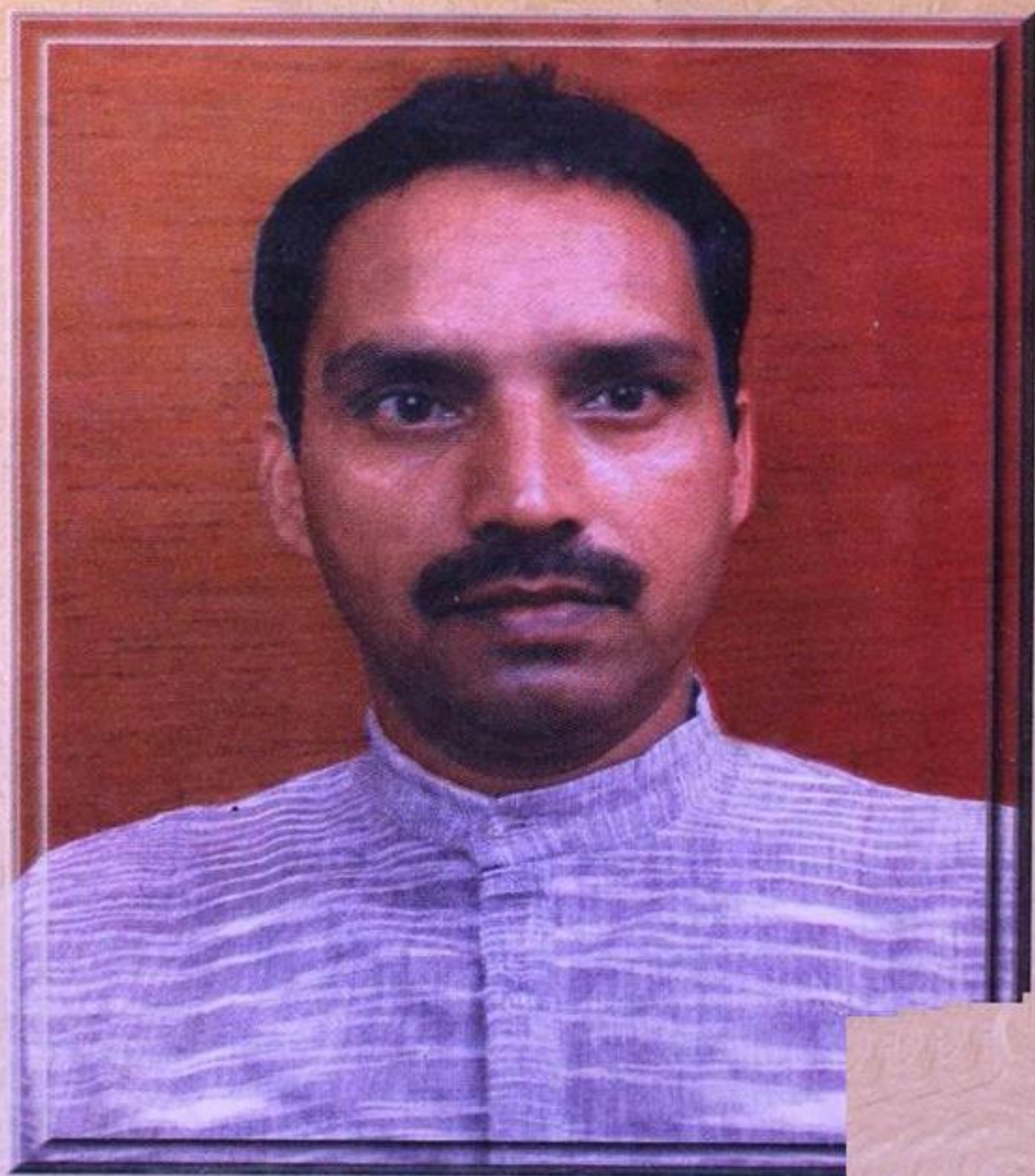


# عادل اسیر دہلوی

(ایک ہمہ اصناف شاعر)



عظیم اختر



بسم الله الرحمن الرحيم

# عادل اسیر دہلوی

(ایک ہمہ اصناف شاعر)

عظیم اختر



سافی بک ڈپو، دہلی

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

ISBN 81-85772-36-3

نام کتاب	:	عادل اسیر دہلوی (ایک ہمہ اصناف شاعر)
مصنف	:	عظیم اختر
صفحات	:	16
تعداد	:	1000
اشاعت اول	:	2002ء
قیمت	:	دس روپے = 10/-
مطبع	:	انیس آفسیٹ پرنٹرس
		کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی

AADIL ASEER DEHLVI : EK HAMA ASNAF SHAIR  
By : Azeem Akhtar  
Price : Rs. 10/-

ناشر

ساقی بک ڈپو

4157-A، اردو بازار، دہلی۔ 110006

Published by :



**SAQI BOOK DEPOT**

4157A, URDU BAZAR, DELHI-110006



## کچھ اس کتاب کے بارے میں...

یہ شکوہ نہیں بلکہ تیس پینتیس سالوں پر محیط شعر و ادب کے خاموش مطالعے، مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں ایک تلخ سچائی کا اظہار ہے کہ اردو دنیا میں نئی نسل کے شاعروں اور ادیبوں کو مسلسل نظر انداز کیا جاتا ہے اور ان کی تخلیقی کاوشوں کی پذیرائی میں نہایت ہی بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ بزرگی کی ردا اوڑھے ہوئے شعراء اور ادباء حضرات تو خوردوں کو گردانتے ہی نہیں اور ہمہ وقت بزرگی کے گنبد میں محبوس رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ تحقیقی و تنقیدی منظر نامے پر چھائے ہوئے خامہ بگوش پروفیسر افتاد حضرات بھی ادبی و شعری منظر نامے پر ابھرنے والی نئی اور توانا آوازوں کو سننے، پرکھنے اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جانچنے کی بجائے کچھ مخصوص شاعروں اور ادیبوں کے ناموں کی گردان کرتے رہتے ہیں۔

جانبدارانہ تنقید اور ذاتی تعلقات و دوستی کے پس منظر میں ادبی پذیرائی کا یہ عمل پچھلے چالیس پینتالیس برسوں سے جاری و ساری ہے اور اب اردو تنقید کا مزاج بن چکا ہے۔ لیکن اس حوصلہ شکن صورت حال اور رویے کے باوجود نئی نسل کے باصلاحیت قلم کاروں نے اپنے شعری اور ادبی وجود کو تسلیم کرایا ہے اور کراتے رہیں گے۔ پچھلے بیس پچیس برسوں میں دلی کے ادبی منظر نامے پر ابھرنے والا عادل اسیر بھی ایک ایسا ہی باصلاحیت اور Genuine قلم کار ہے جس کی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر ابھی تنگ نظر بڑوں اور جانبدار نقادوں پر تو نہیں کھل سکے لیکن قارئین نے جس کی تخلیقی کاوشوں کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ اس طرح پذیرائی کی ہے کہ آج عادل اسیر کا نام اردو دنیا بالخصوص ادب اطفال میں ایک معتبر و مستند نام بن گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نئی ادبی نسل اور عادل اسیر کے ہم عصر قلم کاروں میں منفرد اور نرم و گداز لب و لہجے کے شاعر شامل ہیں، جو خود تشہیری اور ادبی رابطہ عامہ کے تقاضوں سے بے نیاز ہو کر



شعر و ادب کی خاموش خدمت کر رہے ہیں لیکن عادل اسیر کی شعری و ادبی شخصیت ان سب سے جدا ہے۔ وہ ایک ہمہ اصناف شاعر ہے۔ مختلف شعری اصناف میں تجربے کرنا اور مسلسل ادبی کام کرتے رہنا اُس کی سرشت میں داخل ہے جس کا عادل اسیر نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور اُردو ادب بالخصوص ادب اطفال میں اہم اضافے کیے ہیں۔

ہم تنقید کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے کیونکہ تنقید ہمارا مزاج نہیں ہے۔ تنقید صرف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کا حق ہے اور اُن کو ہی زیب دیتی ہے، لیکن ہم نے دلی کے نوجوان قلم کاروں کی تخلیقی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اپنی تحریروں میں ہمیشہ اُن کی پذیرائی کی ہے، دلی سے محبت اور اس نسل سے قربت و تعلق کا قرض چکا یا ہے اور ادبی دیانتداری کا ثبوت دیا ہے۔

عادل اسیر کی سادگی اور ادبی کام کرتے رہنے کی لگن اور دُھن متاثر کن ہے۔ ہم نے عادل اسیر کی ان ہی خصوصیات پر مختلف اوقات میں گفتگو کی ہے اور اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے۔ ہماری وہ تحریریں عادل اسیر کی متعدد کتابوں میں موجود ہیں اور بعض اخبارات و رسائل میں چھپ چکی ہیں۔ اب اُن تمام تحریروں کو یکجا کر کے کچھ ترمیم اور اضافوں کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ شاعروں، ادیبوں کا اپنے صرّف پر اپنے جشن منعقد کرانا، یا کسی گمنام سے نیم ادبی جریدے کا اپنی شخصیت اور شاعری پر خصوصی شمارہ شائع کرانا اور معروف قلم کاروں سے اپنی تعریف و توصیف میں مضامین لکھانے اور سندیں حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنا ایک عام ادبی مزاج بن گیا ہے۔ جس کے مظاہرے آئے دن دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے کچھ احباب زیرِ نظر کتاب کو بھی اُسی مزاج پر محمول کریں لیکن درحقیقت ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آنے والے کل میں کوئی بھی نقاد بچوں کے ادب پر عادل اسیر کے حوالے کے بغیر تنقیدی گل افشائیاں نہیں کر سکے گا۔ یہ نوشتہ دیوار ہے جس کو آج کی ادبی کساد بازاری کے گرم ماحول میں ہم نے پڑھا ہے۔ اس وقت عادل اسیر پر لکھی گئی ان تحریروں کی ضرورت اور افادیت محسوس ہوگی اور کسی صاحبِ نقد و نظر کو عادل اسیر پر بنیادی مواد کی کمی کا گلہ نہیں ہوگا۔ اس سے قطع نظر زیرِ نظر کتاب کی یہ تحریریں اس بات کا بھی منہ بولتا ثبوت ہیں کہ جماعتی گروہ بندی، دوست نوازی، ادبی رابطہ عامہ اور ادبی کساد بازاری کے اس ماحول میں کچھ ایسے دیوانے بھی موجود ہیں جو تخلیق کار کو صرف اس کی تخلیقی صلاحیتوں کی بنیاد پر پلکوں پر بٹھاتے ہیں اور شعر و ادب کے حوالے سے خدا لگتی بات کرتے ہیں۔

**عظیم اختر**

(۲۲ اپریل ۲۰۰۲ء)



## عادل اسیر دہلوی

شعور سنبھالنے کی عمر سے لے کر اب تک دلی کی اُردو دنیا اور اس دنیا کے ”معتبر و مستند“ کہلائے اور سمجھے جانے والے ”بڑوں“ کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کے بعد ہمیں یہ کہنے میں کوئی تاثر نہیں ہے کہ دلی کی اُردو دنیا میں ادبی بددیانتیوں، منافقانہ رویوں کا بازار گرم ہے اور یہاں کے ادبی منظر نامے پر ایسے غیر تخلیق کار حضرات چھائے ہوئے ہیں جن کو اُردو کے نام پر صرف اپنی ذات سے دلچسپی ہے اور اس کی ادبی سرگرمیوں کے پردے میں اپنے حواریوں اور گماشتوں کا مفاد عزیز ہے۔ دلی کے ادبی منظر نامے کے یہ ”بڑے“ ذاتی دوستی، سماجی، سرکاری حیثیت و مرتبے کے پس منظر میں تخلیق کار کو نوازتے ہیں اور یہاں کی ادبی سرگرمیوں کی بساط پر شطرنج کے مہروں کی طرح اپنے حواریوں کو چلاتے ہیں۔ ادبی کساد بازاری کا ایک عجب ماحول ہے جہاں عملی زندگی میں کم حیثیت و کم مرتبے کے مالک باصلاحیت اور ذہین قلم کاروں کے کام کرنے کی لگن اور اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔

دلی کے اُردو والوں کو تو اس کا احساس بھی نہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ دلی کی کوکھ سے جنم لینے والے ذہین، باصلاحیت اور نو جوان ادیب و شاعر جو عملی زندگی میں کسی بڑے مرتبے اور حیثیت کو نہیں پہنچ سکے وہ بڑوں کی اس ادبی بددیانتی اور منافقت کا شکار ہیں لیکن اس مسلسل ناانصافی، بے اعتنائی نے دلی کے ان قلم کاروں کی تخلیقی صلاحیتوں اور کام کرنے کی لگن کو متاثر نہیں کیا۔ ان میں بے حوصلگی اور دل شکستگی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ستائش و صلے اور اعتراف کی خواہش سے بے نیاز ہو کر فسیل بند شہر کی تنگ گلیوں اور کوچوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھار رہے ہیں اور شعر و ادب کی خاموش خدمت کر رہے ہیں۔

عادل اسیر کا تعلق دلی کی ایک ایسی برادری اور خاندان سے ہے جس کا شعر و ادب سے دور، دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن مبدائے فیاض نے اُن کو تخلیقی صلاحیتوں سے نواز دیا۔ حالانکہ عادل اسیر عمر کی اُس منزل میں ہے جہاں جوان جذبات، رنگین خواب اور انگڑائیاں لیتے ہوئے تصورات خود بخود شعر کے سانچے میں ڈھلنے لگتے ہیں۔ لیکن عادل اسیر نے ان جذبات و خیالات کو شاعری کے کوچے میں ایک بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑنے نہیں دیا اور شاعری کو اپنے محسوسات و جذبات کا آئینہ نہیں بنایا بلکہ اپنی تمام تخلیقی صلاحیتوں کا رخ آنے والی نسلوں کی ذہنی تعلیم و تربیت کی طرف موڑ دیا۔

اُردو دنیا میں شاعروں اور ادیبوں کی کمی نہیں۔ غزل کی سہل پسندی، مشاعروں میں واہ واہ کے سحر، داد



و ستائش کے چلن اور عوامی مقبولیت کے جادو نے شاعر تو بہت پیدا کیے لیکن مولانا اسماعیل میرٹھی، مولوی شفیع الدین نیر کی طرح باقاعدگی کے ساتھ صرف بچوں کے لیے شاعری کرنے والے شاعروں کا فقدان ہے۔ ان دونوں بزرگوں نے شعر گوئی کی بہترین صلاحیتوں کے باوجود اپنے آپ کو غزل اور مشاعروں کے سحر سے بچائے رکھا اور زندگی بھر صرف بچوں کے لیے شاعری کی۔ آج کے دور میں اُس سنت کو عادل اسیر تازہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ بچوں کے لیے شاعری کرنا، آسان و سہل زبان میں دلچسپ نظمیں لکھنا بظاہر آسان سا کام نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ اس میدان میں ہر شاعر اپنے جوہر نہیں دکھا سکتا۔ لیکن عادل اسیر جس کی ادبی زندگی صرف دو دہوں کا فاصلہ ہی طے کر پائی ہے، بچوں کے ادب میں بڑے اعتماد کے ساتھ مضامین نو کے انبار لگا رہا ہے۔ بچوں کا ادب ان کا اوڑھنا بچھونا بن چکا ہے اور نہایت تندہی اور خلوص کے ساتھ یہ بچوں کا ادب تخلیق کر رہا ہے۔

عادل اسیر نے بچوں کی شاعری میں کچھ کامیاب تجربے بھی کیے ہیں۔ رباعی اردو شاعری کی ایک مشکل صنف ہے اور ہر شاعر رباعی کہہ کر اپنے آپ کو آزمائشوں میں نہیں ڈالتا۔ لیکن عادل اسیر نے بچوں کے لیے سبق آموز رباعیاں نظم کر کے ایک کامیاب تجربہ کیا ہے۔ نعت گوئی مشکل ترین صنف ہے۔ اس صنف میں عام طور پر شاعروں کے تخیل کے پر جلنے لگتے ہیں۔ عادل اسیر نے بچوں کے لیے اس صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور سہل زبان میں عقیدت سے بھرپور خوبصورت نعتیں لکھی ہیں۔ یقیناً بچوں کے ادب میں یہ ایک اہم اضافہ ہے۔ عادل اسیر اس مختصر سی ادبی زندگی میں بچوں کے لیے تقریباً دو درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کر چکا ہے۔ جن میں بہت سی کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ یقیناً اُن کی عوامی مقبولیت کی دلیل سے وگرنہ عام طور پر اردو کی کتاب کا پہلا ایڈیشن بھی آسانی سے فروخت نہیں ہو پاتا۔

عادل اسیر ایک سیدھے، سادے، خاموش صفت، محنتی ارادے کے پکے اور قلم کے دھنی نو جوان کا نام ہے۔ جس نے اگرچہ اسکول میں صرف نویں جماعت تک ہی تعلیم پائی ہے، لیکن نجی طور پر تعلیمی سلسلہ جاری رکھا جس کی وجہ سے وہ آج ایم۔ اے کی منزل تک پہنچ گیا۔ عادل اسیر کی زندگی کی ان بنیادی محرومیوں نے ہی شاید عادل اسیر کو اُس کوپے میں بھیج دیا جہاں وہ آنے والی نسلوں اور بچوں کی ذہنی، اخلاقی تعلیم و تربیت کے لیے ادب تخلیق کر کے ایک اہم فریضہ انجام دے رہا ہے۔

(دلی حرف حرف جہرمے، مطبوعہ، ۱۹۹۷ء)



آنے والے کل کے ادبی منظر نامہ کا ایک اہم قلم کار

## عادل اسیر دہلوی

مصلحتوں کے تحت سچائیوں کے اظہار سے گریز اور تلخ کڑوی، کیسلی حقیقتوں کے بیان سے دانستہ احتراز ایک کھلی ہوئی بددیانتی، بدترین منافقت اور فرار کی علامت ہے۔ ہماری سیاسی، سماجی زندگی کی طرح ادبی زندگی بھی منافقت اور بددیانتی سے مملو ہے اور ادبی مفادات و ذاتی مصلحتوں کے تحت سچائیوں سے گریز عام ہے۔ میرا قلم چونکہ منافقت اور بددیانتی کی آلودگیوں سے پاک ہے اس لیے میں اس حقیقت اور سچائی کو رقم کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا کہ آج میرا غالب کے اس شہر یعنی دہلی کے ادبی منظر نامہ پر محقق اور نقاد قسم کے کچھ مخصوص پروفیسروں اور کالج یونیورسٹیوں میں اردو پڑھانے والے استادوں کا قبضہ ہے۔ چھوٹے موٹے ادبی مٹھ بنے ہوئے ہیں۔ جن میں صرف دوستی، ذاتی تعلقات، نظریات سے وابستگی، ہم آہنگی یا قلم کار کے معاشی، سماجی، سرکاری حیثیت و مرتبے کے پس منظر میں تخلیق کی پذیرائی کی جاتی ہے اور داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ ستائش باہمی کا ایک عجب بازار گرم ہے جہاں عملی زندگی میں کم حیثیت و مرتبے کے مالک باصلاحیت ادیبوں، شاعروں اور نو جوان قلم کاروں کی کام کرنے کی لگن اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کیا جاتا ہے اور ان کے ادبی وجود سے مسلسل گریز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری اور آپ کی اسی دہلی کی کوکھ سے جنم لینے والے بہت سے باصلاحیت اور نو جوان قلم کار آج تک دہلی کے ادبی منظر نامہ پر نہیں ابھر سکے۔ لیکن ہمارے بڑوں کی اس مسلسل بے اعتنائی نے ان نئے قلم کاروں کی تخلیقی صلاحیتوں اور کام کرنے کی لگن کو متاثر نہیں کیا۔ ان میں بے حوصلگی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ستائش و صلے سے بے پرواہ ہو کر فنیل شہر کی تنگ و تاریک گلیوں اور کوچوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھار رہے ہیں، بروئے کار لا رہے ہیں اور اردو شعروادب کی خاموش خدمت کر رہے ہیں۔

عادل اسیر ایک ایسے ہی نو جوان اور باصلاحیت قلم کار ہیں جو بڑی خاموشی اور لگن کے ساتھ اردو شعروادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے کام کرنے کی لگن اور ان کی ادبی صلاحیتوں کو دیکھ کر صرف یہی خیال آتا ہے کہ اگر یہ عملی زندگی میں کسی بلند مرتبے کے حامل ہوتے تو ہمارے ادبی کولمبوس کے چھوٹے بڑے نہ جانے کتنے جہا و اب تک ان کے تخلیقی جزیروں کو تلاش کر کے کبھی کا اردو دنیا کو روشناس کرا چکے ہوتے اور ان کی شعری و ادبی



خدمات اور صلاحیتوں پر دفتر کے دفتر سیاہ کیے جا چکے ہوتے۔ ادبی پذیرائی کے متعدد دروازے وا ہو جاتے۔ لیکن چونکہ یہ ابھی زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے جدوجہد کے دور سے گزر رہے ہیں۔ اس لیے ادبی مٹھوں کے التفات پذیرائی سے محروم ہیں۔ لیکن خوشی کا مقام ہے کہ یہ سیدھا سادہ کم گو اور خاموش سانو جوان اپنی دھن میں مگن بڑی تیزی کے ساتھ تخلیقات نو کے انبار لگا رہا ہے۔ بچوں کے لیے مختلف موضوعات اور عنوانات پر متعدد کتابیں ترتیب دے چکا ہے۔ ادبی مٹھوں کے ان سچا لکوں نے جو ادب کے شوکیس میں اپنے ہم نوا تخلیق کاروں کو سجانے کی خدمت انجام دینے میں یا اردو سے متعلق سرکاری یا نیم سرکاری اداروں کی سربراہی یا صرف ممبر شپ حاصل کرنے کے لیے، صبح و شام سیاست دانوں کے دروں پر سجدہ ریزی کرتے ہیں، ممکن ہے عادل اسیر کی تخلیقی کاوشوں کو دیکھا ہی نہ ہو لیکن اردو کے Grass-Root نقادوں یعنی قارئین۔ نے نہ صرف سراہا ہے بلکہ اپنے بچوں کی ذہنی تربیت و نشوونما کے لیے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ یہ عوامی مقبولیت مولانا اسماعیل میرٹھی کے بعد بچوں کے لیے شاعری کرنے والے شاید ہی کسی شاعری کو نصیب ہوئی ہو۔

عادل اسیر کی شاعری مختلف جہتوں پر محیط ہے۔ اگر ایک طرف انھوں نے بچوں کی ذہنی تربیت اور نشوونما کے لیے خوبصورت شاعری کی ہے تو دوسری طرف منظوم ترجمے بھی کیے ہیں۔ ”نغمہ خیام“ عادل اسیر کی ایک ایسی ہی کاوش ہے۔ غیر ملکی زبانوں کی شعری تخلیقات اور وہ بھی عمر خیام جیسے قدر آور اور بلند مرتبہ شاعر کا اردو میں منظوم ترجمہ کوئی آسان کام نہیں۔ تخلیقی ذہن، شعر گوئی کی بھرپور صلاحیت، اردو و فارسی پر مکمل عبور اور دسترس کے بغیر اس میدان میں ٹھوکریں کھانے کے ساتھ ساتھ رسوائی اور جگ ہنسائی کے امکانات زیادہ ہیں۔ خیام کی فارسی رباعیوں کا اردو منظوم ترجمہ دیکھ کر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عادل اسیر نے اپنے تخلیقی ذہن اور شعر گوئی کی صلاحیتوں کا خوبصورت استعمال کر کے اپنے ادبی قد میں اضافہ کیا ہے جس کا اعتراف آج تو نہیں لیکن آنے والے کل کے ادبی منظر نامے پر ضرور ہوگا۔

(نغمہ خیام، مطبوعہ، ۲۰۰۱ء)



## بچوں کا معتبر شاعر: عادل اسیر دہلوی

عزیز بچو! ”پھول والا“ عادل اسیر دہلوی کی پیاری اور خوبصورت سی کتاب ہے۔ جس میں شامل دلچسپ، سبق آموز اور آسان سی نظمیں انھوں نے صرف تمھارے لیے لکھی ہیں تاکہ تم ان کو پڑھ کر لطف اٹھاؤ اور اپنے علم میں اضافہ کرو۔ چونکہ ”پھول والا“ تمھارے لیے ہے اس لیے ہم تم سے ہی مخاطب ہیں۔ آؤ سب سے پہلے تمھیں یہ بتائیں کہ شاعری کیا ہوتی ہے اور نظم کس کو کہتے ہیں۔

انسان اچھی اور خوبصورت چیزوں کو دیکھ کر متاثر ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس پر ایک کیفیت بھی طاری ہو جاتی ہے۔ جس کو جذبات کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر انسان اپنے جذبات کا الگ الگ طریقے سے اظہار کرتا ہے۔ لیکن جب یہ جذبات موزوں لفظوں میں ادا ہوتے ہیں تو اس کو شاعری کہا جاتا ہے۔ اس طرح جب کسی خاص عنوان یا موضوع پر شعر لکھے جائیں اور اس عنوان یا موضوع کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے تو اسے نظم کہتے ہیں۔ نظم اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ لیکن ہمارے یہاں غزل سب سے زیادہ مقبول ہے۔ ہر شاعر غزل سے شاعری شروع کرتا ہے۔ ویسے شاعری کرنا، اچھے اور موزوں شعر کہنا، ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں تاوقتیکہ قدرتی صلاحیت نہ ہو۔ اسی لیے شاعری کو خدا کی طرف سے بخشی ہوئی نعمت، انعام بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں تم کو بتا دیں کہ تمھارے یعنی بچوں کے لیے شاعری کرنا، آسان بلکی پھلکی، دلچسپ اور سبق آموز نظمیں لکھنا انتہائی کٹھن اور مشکل کام ہے۔ اس میدان میں ہر شاعر اپنی صلاحیتوں کے جوہر نہیں دکھا سکتا۔ اردو زبان میں میر وغالب، ذوق وسودا، مومن و ظفر، حسرت و جگر اور فراق و جوش جیسے بڑے اور قد آور شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی شاعری کا زمانہ معترف ہے لیکن علامہ اقبال اور چند شاعروں کو چھوڑ کر ہمارے بڑے اور قد آور شاعروں نے بچوں کے لیے بہت کم نظمیں لکھی ہیں۔ حالانکہ ان جیسے بڑے شاعروں کے لیے عام فہم اور بلکی پھلکی زبان میں بچوں کے لیے موثر اور دلچسپ نظمیں لکھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ بچوں کی شاعری کا معیار اور تقاضے بالکل مختلف ہیں۔ جن کو ہر شاعر آسانی سے پورا نہیں کر سکتا۔ بچوں کی نفسیات، اُن کے ذہن اور معیار کو سمجھے بغیر بچوں کے لیے معیاری اور دلچسپ نظمیں لکھنا ایک دشوار کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر بڑے اور مشہور شاعر بچوں کے ادب میں اپنی شاعری کے جوہر نہیں دکھا سکے۔ البتہ ہمارے یہاں مولانا اسماعیل میرٹھی، افسر میرٹھی، شفیع الدین نیر وغیرہ جیسے شاعر بھی ہوئے ہیں۔ جنھوں نے زندگی بھر بچوں کے لیے شاعری کی۔ ہر عمر کے بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کے لیے معیاری اور دلچسپ نظمیں لکھیں۔ ہماری طرح تمھارے ابو اور امی نے بھی اپنے بچپن میں تمھاری



عمر میں مولانا اسماعیل میرٹھی، اختر شیرانی، شفیع الدین نیر کی نظمیں اور کتابیں یقیناً پڑھی ہوں گی۔ بچوں کے ادب میں ان بزرگوں کی شعری خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے علاوہ مولانا الطاف حسین حالی، تلوک چند محروم، تاجور نجیب آبادی، سرور جہاں آبادی، پنڈت برج نرائن چکبست، سام پھلی شہری، علیم اختر مظفر نگری، راجہ مہدی علی خاں جیسے معتبر و مستند شاعروں نے بھی اپنی روش سے ہٹ کر بچوں کے لیے بہت اچھی اور معیاری نظمیں لکھی ہیں جو شاید تمھاری نظروں سے گزری ہوں۔

آج کل ہمارے یہاں شاعروں اور ادیبوں کی کمی نہیں لیکن مولانا اسماعیل میرٹھی، شفیع الدین نیر کی طرح باقاعدگی کے ساتھ بچوں کے لیے شاعری کرنے، نظمیں یا کہانیاں لکھنے والے دور دور تک نظر نہیں آتے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں بچوں کے ادب کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی اور بچوں کی ذہنی تعلیم و تربیت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ ایسے دور میں تمھاری اس کتاب کے مصنف عادل اسیر دہلوی کا دم غنیمت ہے۔ جنھوں نے بچوں کے ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔ تمھارے اور تمھارے دوستوں کے لیے عمدہ نظمیں اور معیاری کتابیں بڑی باقاعدگی کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔

عادل اسیر نے دہلی کے مشہور اور تاریخی اسکول اینگلو عربک اسکول میں تعلیم حاصل کی ہے۔ گھریلو ماحول کی وجہ سے اسکول کی تعلیم ترک کر کے روزی روٹی کے چکر میں پڑ گئے۔ لیکن نجی طور پر تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آگے بڑھنے کی لگن اور شوق نے رہنمائی کی۔ زبان و ادب کا مطالعہ جاری رکھا اور تعلیم کو اپنی منزل بنالیا۔ تم نے اپنے بڑوں سے سنا ہوگا کہ نیک نیت منزل آسان۔ یہ ایک کہاوت ہے جو عادل اسیر دہلوی پر پوری اُترتی ہے۔ ان کا تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ اور نیت نیک تھی۔ انہر میاں نے ان کی مشکلیں آسان کر دیں اور انھوں نے مسلسل جدوجہد اور ثابت قدمی سے ایم اے کر کے منزل کو پالیا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید ایم اے کر کے خاموش بیٹھ جاتا لیکن انھوں نے ایم اے کی ڈگری کے بعد تعلیم کا سلسلہ بند نہیں کیا بلکہ عربی اور فارسی کے امتحانات بھی پاس کیے۔ انگریزی، ہندی اور پنجابی خود پڑھی اور خاصی قابلیت پیدا کر لی۔

اب ذرا تم خود سوچو ایک لڑکا جس نے اسکول میں صرف نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی ہو اور کالج، یونیورسٹی کی شکل تک نہ دیکھی ہو، عزم و یقین، ذوق و شوق اور مسلسل جدوجہد کی وجہ سے تعلیم کے میدان میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور آخر کار منزل کو پا ہی لیا۔

تم بھی عادل اسیر دہلوی کی طرح تعلیم کو اپنی منزل اور مقصد بناؤ نخت کرو، دل لگا کر پڑھو، زندگی میں تعلیم ہی تمھارے کام آئے گی۔

(بھول مالا، مطبوعہ، ۲۰۰۱ء)



## عادل اسیر دہلوی: ایک ہمہ اصناف شاعر

مشاعروں کے حوالوں سے شاعروں کو جاننے اور پہچاننے والے دوسرے شہروں کے سامعین تو کجا ممکن ہے خود دہلی کے سامعین بھی عادل اسیر کے نام اور اس کی شعری حیثیت سے واقف نہ ہوں لیکن پچھلے پندرہ بیس برسوں میں شہر میر وغالب کی گلیوں سے یہاں کے ادبی منظر نامے پر ابھرنے والے سیدھے سادے اور ایک عام سے نوجوان کی طرح نظر آنے والے اس شاعر کا نام ادبی حلقوں، رسالے، کتابیں پڑھنے اور بچوں کے ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے قطعی اجنبی نہیں ہے۔ جب کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ گروہ بندی، خود تشہیری اور ادبی پبلک ریلیٹنگ کے اس دور میں ایک ایسا شاعر جو قدم قدم پر بنے ہوئے ادبی مٹھوں سے وابستہ نہ ہو، جس کو مشاعروں کی دنیا سے کوئی علاقہ نہ ہو، شعری نشستوں سے کوئی تعلق نہ ہو، ادبی دنیا میں اپنی شناخت پیدا نہیں کر سکتا۔ ادبی دنیا کے آج کے مروج تقاضوں کو سمجھ کر بہت سے قلم کار کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور مشاعروں کے لیے لازم و ملزوم بن گئے۔ لیکن عادل اسیر ایک ایسا شاعر ہے جس کو ان تقاضوں کا ادراک ہوتے ہوئے بھی ادراک نہیں ہے۔ اس کو عادل اسیر کے قلندرانہ مزاج کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اسی قلندرانہ مزاج کی وجہ سے عادل اسیر مشاعروں کے اسٹیج پر اور ادبی و شعری نشستوں میں بیاض در بغل نظر نہیں آتا۔ وگرنہ ایک ایسا شاعر جس نے شاعری کی ہر صنف میں کامیاب طبع آزمائی کی ہو مشاعروں کے سحر اور خود تشہیری کے جال سے آزاد نہیں رہ سکتا۔

دہلی کے ادبی منظر نامے پر ابھرنے والی نئی نسل کے نرم و گداز اور نئے لب و لہجے کے شاعروں کی طرح عادل اسیر نے بھی غزل سے اپنا ادبی سفر شروع کیا۔ غزل اردو شاعری کی مقبول ترین اور آسان صنف ہے۔ ایک موزوں طبع انسان شعر موزوں کرتے کرتے غزل گو شاعر بن ہی جاتا ہے لیکن شاعری کی دیگر اصناف کے تقاضے ہر موزوں طبع پورے نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر کہنہ مشق شعرائے کرام بھی اپنی شعر گوئی کی صلاحیتوں کی آبرو محفوظ رکھنے کے لیے دوسری اصناف میں طبع آزمائی کرنے سے کتنی کتراتے ہیں۔ لیکن نوجوان عادل اسیر نے غزل کے سحر میں گم ہونے اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو صرف ایک ہی صنف کے لیے مخصوص کرنے کی بجائے دوہا اور رباعی جیسی قدرے مشکل اصناف کو بھی چیلنج کے طور پر قبول کیا۔

غزل میں عادل اسیر کا مزاج اردو شاعری کی عظیم الشان کلاسیکی روایت سے ہم آہنگ ہے لیکن نظم، رباعی وغیرہ جیسی اصناف میں ایک دوسرا ہی عادل اسیر نظر آتا ہے۔ بچوں کے لیے سبق آموز ادب تخلیق کرنا اور نظمیں لکھنا رباعی اور دوہا کہنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ عادل اسیر نے شاعری کی تمام اصناف کے ساتھ ساتھ



بچوں کے ادب پر بھی خاصی توجہ صرف کی ہے لیکن بچوں کے لیے نظمیں، گیت رباعیاں اور دوہے برائے بیت نہیں لکھے بلکہ بچوں کو آسان، دلچسپ اور سلیس زبان میں ملک کی عظمت اور حب الوطنی کے ترانے سناتا ہے، فرقہ پرستی، جہالت، مذہبی عصبیت اور نفرت کے خلاف جہاد کرتا ہے اور آج کی سیاست کے زہریلے ثمرات کے خلاف بچوں کے معصوم ذہنوں میں محبت اخوت اور پیار کی جوت جگاتا ہے اور ان کو ایسا انسان بننے کی ترغیب دیتا ہے جس سے زندگی عبارت ہو۔

عادل اسیر نے بچوں کی شاعری کی طرح باقاعدہ شاعری تفسیر طبع یا الفاظ کی بازی گری دکھانے کے لیے نہیں کی۔ اُس کے یہاں ایک مقصد ہے اور اسی مقصد کی اشاعت کے لیے اس نے شاعری کو پختا ہے۔ اُس کی نظمیں، رباعیاں، گیت اور دوہے خیال کی ترسیل سے نہیں تصریح سے عبارت ہیں۔ ایسی با مقصد شاعری مشاعروں میں تو نہیں ہاں قارئین کے ذہنوں، دلوں میں زندہ رہتی ہے اور یاد رکھی جاتی ہے۔ مشاعروں کے حوالوں سے عادل اسیر کو کوئی پہچانے یا نہ پہچانے لیکن اُس کی شاعری اُن لوگوں کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنی رہے گی جو شاعری کو سماج کی خدمت کا ایک اہم ذریعہ سمجھتے ہیں۔

(رباعیاتِ عادل، مطبوعہ، ۲۰۰۱ء)



## عادل اسیر: ادبِ اطفال کی نئی شناخت

شاعری ایک نعمت وہی ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ:

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست

تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

لیکن عجب حسن اتفاق ہے کہ اس برصغیر کے اردو والوں کو خدائے بخشندہ نے یہ نعمت بڑی فیاضی اور فراخ دلی سے عطا کی ہے۔ قدرت کی اس فیاضی اور فراخ دلی کا نتیجہ ہے کہ کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک اردو کے چھوٹے بڑے ناپوؤں میں ہر نواں، دسواں اردو والا تخلص کے لاحقے کے ساتھ، بیاض بغل میں دبائے شاعری کے کوچے میں چہل قدمی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس پہلو سے اگر اردو کا دنیا کی دوسری زبانوں سے موازنہ کیا جائے تو یہ دلچسپ حقیقت منکشف ہوگی کہ اردو دنیا کی واحد زبان ہے جس میں شاعر کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اس کثرت شاعری اور جہوم شاعراں کے باوجود یہ بھی ایک المیہ ہے کہ اردو ادب کا دامن ہر قسم کی شاعری سے بھرا ہوا ہے لیکن آنے والی نسلوں کے ذہنوں کو صحت مند خطوط پر مرتب کرنے والی شاعری سے یکسر خالی ہے۔

وہی دکنی سے لے کر آج تک اردو کی کئی سو سالہ ادبی تاریخ، استادوں کے مرتبے کو پہنچے ہوئے سینکڑوں قادر الکلام اور ماہرین فن شاعروں کے ناموں سے مزین ہے۔ سینکڑوں اساتذہ فن اور زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے ہزاروں شاعروں کے اس جہوم میں ماسوائے چند کے بیشتر شعرا نے اس نعمت وہی سے سستی تفریح اور ذہنی قیغش کا سامان فراہم کیا ہے اور وقت کے ساتھ طاق نسیاں ہو جانے والی شاعری کی ہے۔ یہ روایت آج بھی قائم ہے۔ مشاعرے گواہ ہیں کہ آج بھی ویسی ہی شاعری کے دفتر کے دفتر سیاہ ہو رہے ہیں۔ اس کی اصل وجہ غزل ہے جو اپنی مخصوص ہیئت اور مزاج کی وجہ سے مقبولیت کی انتہا کو پہنچ کر اردو شاعری کی واحد پہچان بن گئی ہے۔ جس کے بغیر اردو شعر اور شاعر کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اگرچہ غزل کی کسوٹی پر پورا اترنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ لیکن غزل گوئی کی وجہ سے مشاعروں میں پذیرائی، اشعار پر داد و ستائش، سامعین کے ذہنوں پر چھا جانے اور پسند کیے جانے کا سحر شاعروں کو غزل کے سحر سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ دو دو مصرعے موزوں کر کے غزل اور شاعری کے نام پر ادبی جزیہ وصول کرنا اردو شاعروں کی ایک ریت بن گئی ہے۔

غزل پرستی اور غزل پسندی کے اس مجموعی ادبی ماحول میں ایک فطری شاعر کا کسی دوسرے صنف کو اپنانا یا کسی مسلسل نظر انداز کیے جانے والے میدان کے لیے اپنی تمام تر شعری صلاحیتیں وقف کر دینا اپنے شاعرانہ



وجود کو نفی کرنے سے کم نہیں۔ شہر میر وغالب کی نئی نسل کے عادل اسیر ایک ایسے ہی نوجوان شاعر ہیں۔ جنہوں نے عام شعری روش پر چلنے اور غزل میں قافیہ پیمائی کرنے کی بجائے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بچوں کے لیے تعلیمی تربیتی نظمیں لکھنے اور اصلاحی ادب تخلیق کرنے کے لیے وقف کر دیا ہے۔

عادل اسیر کو شعر کہنے کا سلیقہ آتا ہے۔ زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ وہ اگر چاہتے تو اپنے دوسرے نوجوان ہم عصروں کی طرح غزل کے ہی ہو رہتے۔ ممکن ہے ابتدا میں انہوں نے غزل کے کوچے کا رخ بھی کیا ہو۔ غزلیں بھی کہی ہوں اور مشاعروں میں داد و ستائش سے جھولیاں بھی بھری ہوں۔ لیکن انہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا رخ بچوں کے ادب کی طرف موڑ کر ایک بڑا کام کیا ہے۔ دنیا کی دوسری زبانوں میں بچوں کے اصلاحی اور تربیتی ادب کو خصوصی توجہ و اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے اور اس کے تخلیق کاروں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر ملکوں میں بچوں کے لیے نہ صرف خوبصورت و دلکش کتابیں اہتمام سے چھاپی جاتی ہیں بلکہ ان کے مصنفین کو خاصی رائلٹی بھی ملتی ہے۔ اس کے برعکس اردو دنیا میں بنیاد کے اس پہلے پتھر کو کبھی درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ بھلا ہو مولانا محمد اسماعیل میرٹھی مرحوم کا۔ جنہوں نے بنیاد کے اس پہلے پتھر کی اہمیت کو سمجھا، محسوس کیا اور ایک مشن کے طور پر آسان اور سلیس زبان میں چھوٹی چھوٹی اصلاحی نظمیں لکھیں اور درسی کتابوں کی شکل میں وہ ادب تخلیق کیا جو ستر اسی سال گزر جانے کے بعد آج بھی تروتازہ ہے اور سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا نے محترم کی ان کتابوں نے کئی نسلوں کی ذہنی آبیاری کی ہے۔ اردو لکھنا پڑھنا اور بولنا سکھایا ہے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اور آئندہ کئی نسلوں تک جاری رہے گا۔

اردو میں بچوں کے لیے سلیس سہل زبان میں اصلاحی نظمیں اور کہانیاں لکھنے کا دور صحیح معنوں میں مولانا اسماعیل میرٹھی کے زمانے سے شروع ہوا۔ مولانا نے محترم سے قبل اردو کے کسی اور قلم کار نے اس کوچے میں قدم نہیں رکھا تھا۔

حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اسماعیل میرٹھی زندگی کی حقیقتوں اور تقاضوں پر اپنے معاصرین سے زیادہ گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور ایک جذبے اور مشن کے ساتھ بچوں کے لیے تعلیمی اور اصلاحی نظمیں لکھ کر اردو کے شاعروں کو ایک نئی راہ سجھائی۔ ہمیں یقین ہے کہ مولانا اسماعیل کے اس مشن کے پس پشت آنے والی نسلوں کے ادبی ذوق کی تربیت کا جذبہ بھی یقیناً کار فرما رہا ہوگا۔

مولانا اسماعیل میرٹھی نے اگرچہ درسی کتابیں ہی تصنیف کی تھیں لیکن ان کتابوں کی مقبولیت اور انبابت سے متاثر ہو کر بہت سے قادر الکلام شعرا نے بھی اس کوچے کا رخ کیا اور اپنی مخصوص روش سے ہٹ کر بچوں کے لیے کارآمد اور خوبصورت نظمیں لکھیں۔ ایسے شاعروں میں علامہ اقبال سب سے نمایاں ہیں۔ جن کی چند خوبصورت نظمیں ان کی شاعری کی طرح ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ دوسرے شعرا اگرچہ علامہ اقبال کی طرح بچوں کے لیے چند سدا بہار اور ذہنوں پر چھا جانے والی نظمیں تو نہیں لکھ سکے، لیکن اکثر نے اچھی اور خوبصورت نظمیں لکھ کر اس باب میں اضافہ کیا ہے۔ جن میں ملوک چند محروم، سرور جہاں آبادی، پنڈت برج زائن چکبست، تاجور نجیب آبادی، افسر میرٹھی، عظیم اختر مظفر نگری، سلام چھلی شہری، متین طارق بانگتھی، راجہ مہدی علی خاں، اختر شیرانی وغیرہ



بچوں کے ادب میں ان بزرگوں اور دوسرے شعرا کے کنٹری بیوشن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ شعرا حضرات بنیادی طور پر بچوں کے شاعر نہیں تھے۔ انھوں نے ارتجالاً یا تفسن طبع کے لیے ایسی نظمیں لکھیں۔ ان میں سے ماسوائے تلوک چند محروم، سلام مچھلی شہری، راجہ مہدی علی خاں، علیم اختر مظفر نگری اور متین طارق باغپتی کے بیشتر شعرا نے ایسی چند ہی نظمیں لکھیں جو رسائل میں شائع ہوئیں اور وقت کے دھارے میں گم ہو گئیں۔ سلام مچھلی شہری، علیم اختر مظفر نگری راجہ مہدی علی خاں اور متین طارق باغپتی کی نظمیں باقاعدگی کے ساتھ ماہنامہ کھلونا دہلی، ماہنامہ پھلوا ری دہلی، اور ماہنامہ ہلال رامپور میں شائع ہوتی رہیں۔ سلام مچھلی شہری اور راجہ مہدی علی خاں نے تو ان نظموں کو اپنے شعری اثاثے میں جگہ نہیں دی لیکن علیم اختر مظفر نگری اور متین طارق باغپتی، مائل خیر آبادی، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری وغیرہ جیسے شعرا کی نظموں کے چھوٹے چھوٹے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ تلوک چند محروم کی ایسی نظموں کے مجموعے جو کسی زمانے میں خاصے مقبول تھے اب بڑی حد تک ناپید ہیں۔

بچوں کے لیے تمام تراجمی اور خوبصورت نظمیں لکھنے کے باوجود گذشتہ زمانے کے بزرگوں یا آج کے زمانے کے شاعروں میں سے کسی ایک کو بھی بچوں کا شاعر نہیں کہا جاسکتا۔ اردو دنیا میں ان کی پہچان صرف غزلیہ شاعری کے حوالے سے ہوگی۔ اس کے برعکس مولانا اسماعیل میرٹھی اور شفیع الدین نیر صرف دو ایسے شاعر ہیں جن کا نام آتے ہی ذہن بچوں کے ادب کی طرف دوڑ جاتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ یہ دونوں نام اردو میں بچوں کے ادب کی پہچان اور علامت ہیں۔ اس میدان میں اگر مولانا اسماعیل میرٹھی امام ہیں تو شفیع الدین نیر کو امام ثانی کہا جاسکتا ہے۔ جن کی کتابوں نے اردو کے ہم جیسے بہت سے طالب علموں کے ادبی ذوق کی تربیت کی اور جلا بخشی۔ شفیع الدین نیر صاحب کے انتقال کے بعد بچوں کے ادب کی مسند خالی تھی۔ جس کی طرف عادل اسیر کے قدم نہ صرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں بلکہ اس کی شناخت اور پہچان کا عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔

مولانا اسماعیل میرٹھی اور شفیع الدین نیر نے زندگی بھر بچوں کا ادب تخلیق کیا۔ خوبصورت سبق آموز اور اصلاحی نظمیں لکھیں۔ عادل اسیر نے ان دونوں بزرگوں کی شعری روایت کو خوبصورت اور دلچسپ نظمیں لکھ کر نہ صرف نبھایا ہے بلکہ کچھ شعری تجربے کر کے بچوں کے ادب کو وسعت دی ہے اور نئے عنوانات کا اضافہ کیا ہے۔ رُباعی اردو شاعری کی مشکل ترین صنف ہے۔ رُباعی کہنے کے تصور ہی سے اچھے اچھے شاعروں کا شعری حوصلہ ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رُباعی عام شاعروں کے لیے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عادل اسیر نے اس مشکل صنف کو پُختا اور رُباعی کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے بچوں کے لیے عام فہم سلیس اور دل نشین زبان میں رُباعیاں نظم کر کے اردو دنیا کو چونکا دیا۔ عادل اسیر کی یہ رُباعیاں سلاست و سادگی کا خوبصورت نمونہ ہیں۔ جن میں بچوں کی نفسیات کو ذہن میں رکھ کر بڑے موثر انداز میں کام کی باتیں کہی گئی ہیں۔ عادل اسیر نے ان رُباعیوں میں اخلاقی اور اصلاحی پہلو کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اگر فن شاعری پر دسترس اور زبان و بیان پر کما حقہ عبور اور قدرت حاصل نہ ہو تو یہی اخلاقی اور اصلاحی پہلو رُباعی کو سپاٹ اور بے روح بنانے اور شاعر کی جگہ ہنسائی کے لیے



کافی ہے۔ عادل اسیر کی ان رباعیوں کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے انھوں نے اردو شاعری کی اس مشکل ترین صنف کا بڑی گہرائی اور باریکی سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کے فنی تقاضوں کو سمجھا ہے اور بچوں کے لیے ایک مشکل اسلوب کو آسان و دلچسپ بنا کر بچوں کے ادب میں ایک نئے عنوان کا اضافہ کیا ہے اور کسی ایک رباعی میں بھی اپنی شعری صلاحیتوں کو شرمندہ نہیں ہونے دیا۔

”بچوں کے دو ہے“ عادل اسیر کا ایک دوسرا بڑا اور نہایت ہی چوکا دینے والا کارنامہ ہے۔ ہندی شاعری کی یہ مشہور صنف اردو میں زیادہ مروج نہیں ہے۔ اختصار اور محدود مزاج کی وجہ سے چونکہ دو ہا اردو شاعری کے شوقین سامعین اور قارئین کے ادبی و شعری مزاج سے لگا نہیں کھاتا۔ اس لیے اردو شاعروں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں کی۔ شعر و ادب کی پوری تاریخ میں گنتی کے چند ہی شعرا نظر آتے ہیں جنھوں نے ہندی شاعری کی اس صنف کو اپنایا اور دو ہے نظم کیے۔ ممکن ہے دو ہے کے مخصوص وزن نے دوسرے شعرا کی ہمت شکنی کی ہو۔ لیکن بچوں کی اصلاح، ذہنی تربیت اور ان کے کانوں میں موثر انداز سے کام کی بات کہنے کے لیے ایک غیر مروج صنف شعر کو اپنانا، شاعرانہ حوصلے اور ہمت کا کام ہے۔ عادل اسیر نے بچوں کے ساتھ کام کی باتیں کرنے کے لیے دو ہے کی صنف کو اپنا کر اپنے شاعرانہ حوصلے اور ہمت کا ثبوت دیا ہے اور یہ بھی باور کرا دیا ہے کہ اگر مشق سخن کے ساتھ لگن ہو، صادق جذبہ ہو اور وجدان ساتھ دے تو بچوں کے لیے دوسری اصناف سخن میں بھی اصلاحی اور موثر شاعری کی جاسکتی ہے۔ یہ عادل اسیر کی خوش بختی ہے کہ قدرت نے ان کو ان تمام اوصاف سے نوازا ہے جس نے ان سے آنے والی نسلوں کی ذہنی اور ادبی ذوق کی تربیت کے لیے نظموں کے ساتھ نعت، کہہ مکرنی، گیت اور ماہیا جیسی اصناف میں بھی شاعری کرائی جن کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ عادل اسیر نے بچوں کے لیے شاعری نہیں کی بلکہ بچوں کے ادب کو ہر پہلو سے فتح کیا ہے اور عادل اسیر کی ان فتوحات کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے کہ مولانا اسماعیل میرٹھی اور شفیع الدین نیر کے بعد عادل اسیر بچوں کے ادب کی ایک اہم شناخت ہے تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ ممکن ہے آج کچھ لوگوں کو ہماری اس بات میں مبالغہ نظر آئے لیکن ہمیں یقین ہے کہ آنے والا کل اس حقیقت کو خود ہی تسلیم کرا لے گا۔

(جرس کاروان، ۱۷ تا ۲۳ مارچ ۲۰۰۲ء)



# تعارف

نام : عادل اسیر دہلوی

پیدائش : ۲۱ ستمبر ۱۹۵۹ء

تعلیم : ایم اے (اردو) آگرہ یونیورسٹی، آگرہ

مولوی فاضل (آنر زان عربک) پنجاب یونیورسٹی، چنڈی گڑھ

مشغلہ : تصنیف و تالیف، ترجمہ و صحافت

تصانیف : بچوں کی رباعیاں، گلدستہ نعت، نغمہ خیام، بیربل کی کہانیاں،

گلستاں کی کہانیاں، بچوں کے اقبال، کہاوتوں کی کہانیاں، گیت مالا،

پھول مالا، ہمارے سائنس داں، امیر خسرو کی پہیلیاں، پھول ہی پھول،

آسان نظمیں، بوجھو تو جانیں، بچوں کے دوہے، چڑیا گھر کے اندر،

بچوں کے اسماعیل، رنگ برنگے پھول، رباعیاتِ عادل، بچوں کی نظمیں، وغیرہ

انعامات : ۱۹۹۵ء میں ”بچوں کی رباعیاں“ پر اردو اکادمی، دہلی سے ایوارڈ

۱۹۹۶ء میں اردو اکادمی، دہلی سے ”ایوارڈ برائے بچوں کا ادب“

۱۹۹۶ء میں ”بیربل کی کہانیاں“ پر مغربی بنگال اردو اکادمی سے ”ادبِ اطفال“ ایوارڈ

۱۹۹۹ء میں ”گیت مالا“ پر اتر پردیش اردو اکادمی سے ایوارڈ

۱۹۹۹ء میں ”آسان نظمیں“ پر مغربی بنگال اردو اکادمی سے ”ادبِ اطفال“ ایوارڈ

۲۰۰۱ء میں ”گلدستہ نعت“ پر اردو اکادمی، دہلی سے ایوارڈ

۲۰۰۱ء میں ”رباعیاتِ عادل“ پر اتر پردیش اردو اکادمی سے ایوارڈ

مستقل پتہ : ۳۲۱۲، ترکمان گیٹ، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

E-mail: aadilaseer@hotmail.com